جناب وحید الدین خان

عقیدۂ آخرت

جدید تحقیقات کی روشنی میں

نفسیاتی پہلو

اس سے پہلے ہم نے آخرت کے تصور پر اس حیثیت سے بحث کی ہے کہ موجودہ کائنات میں کیا اس قسم کی کسی آخرت کا واقع ہونا ممکن ہے جس کا مذہب میں دعویٰ کیا گیا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ آخرت قطعی طور پر ممکن الوقوع ہے۔ اب یہ دیکھیے کہ کیا ہماری دنیا کو اس قسم کی آخرت کی کوئی ضرورت بھی ہے۔ کیا کائنات اپنے موجودہ ڈھانچہ کے اعتبار سے تقاضا کرتی ہے کہ آخرت لازماً وقوع میں آئے۔

سب سے پہلے نفسیاتی پہلو کو لیجیے۔ کننگھم نے اپنی کتاب (PLATO'S APOLOGY) میں زندگی بعد موت کے عقیدے کو خوش کن لاادریت (CHEERFUL AGNOSTICISM) کہا ہے ——
یہی موجودہ زمانے میں تمام بے خدا مفکرین کا نظریہ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ دوسری زندگی کا عقیدہ انسان کی اس ذہنیت نے پیدا کیا ہے، کہ وہ اپنے لئے ایک ایسی دنیا تلاش کرنا چاہتا ہے، جہاں وہ موجودہ دنیا کی محدودیتوں اور مشکلات سے آزاد ہو کر خوشی اور فراغت کی ایک دل پسند زندگی حاصل کر سکے۔ یہ عقیدہ انسان کی محض ایک مفروضہ خوش فہمی ہے جس کے ذریعہ وہ اس خیالی تسکین میں مبتلا رہنا چاہتا ہے کہ مرنے کے بعد وہ اپنی محبوب زندگی کو پا سکے گا۔ ورنہ جہاں تک حقیقت واقعہ کا تعلق ہے، ایسی کوئی دنیا واقعہ میں موجود نہیں۔ مگر انسان کی یہ طلب بذات خود آخرت کا ایک نفسیاتی ثبوت ہے جسطرح پیاس کا لگنا پانی کی موجودگی اور پانی اور انسان کے درمیان ربط کا ایک داخلی ثبوت ہے، اسی طرح ایک بہتر دنیا کی طلب اس بات کا ثبوت ہے کہ ایسی ایک دنیا فی الواقع موجود ہے۔ اور ہم سے اس کا براہ راست تعلق ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ قدیم ترین زمانے سے عالمگیر پیمانے پر یہ طلب انسان کے اندر موجود رہی ہے۔

اب یہ ناقابلِ قیاس ہے کہ ایک بے حقیقت چیز اتنے بڑے پیمانے پر اور اس قدر ابدی شکل میں انسان کو متاثر کر دے۔ ایک ایسا واقعہ جو ہمارے لئے اس امکان کا قرینہ پیدا کرتا ہے کہ دوسری بہتر دنیا موجود ہونی چاہیئے۔ خود اسی واقعہ کو فرضی قرار دینا صریح ہٹ دھرمی کے سوا اور کچھ نہیں۔

جو لوگ اتنے بڑے نفسیاتی تقاضے کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یہ غیر حقیقی ہے، مجھے نہیں معلوم کہ پھر اس زمین پر وہ کون سا واقعہ ہے جس کو وہ حقیقی سمجھتے ہیں، اور اگر سمجھتے ہیں تو اس کے لئے ان کے پاس کیا دلیل ہے۔ یہ خیالات اگر صرف ماحول کا نتیجہ ہیں تو وہ انسانی جذبات کے ساتھ اتنی مطابقت کیوں رکھتے ہیں۔ کیا دوسری کسی ایسی چیز کی مثال دی جاسکتی ہے، جو ہزاروں سال کے دوران میں اس قدر تسلسل کے ساتھ انسانی جذبات کے ساتھ اپنی مطابقت باقی رکھ سکی ہو۔ کیا کوئی بڑے سے بڑا قابل شخص یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ ایک فرضی چیز گھڑے اور اس کو انسانی نفسیات میں اس طرح شامل کر دے۔ جسطرح یہ احساسات انسانی نفسیات میں سموئے ہوئے ہیں۔

انسان کی بہت سی تمنائیں ہیں جو اس دنیا میں پوری نہیں ہوتیں۔ انسان ایک ایسی دنیا چاہتا ہے، جہاں صرف زندگی ہو، مگر اسے ایک ایسی دنیا ملی ہے جہاں زندگی کے ساتھ موت کا قانون بھی نافذ ہے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ آدمی اپنے علم، تجربہ اور جدوجہد کے نتیجہ میں جب اپنی کامیاب ترین زندگی کے آغاز کے قابل ہوتا ہے، اسی وقت اس کے لئے موت کا پیغام آجاتا ہے۔ لندن کے کامیاب تاجروں کے متعلق اعداد و شمار سے معلوم ہوا ہے کہ ۵۴۔ ۶۵ سال کی عمر کے درمیان جب وہ اپنا کاروبار خوب جما لیتے ہیں اور پانچ ہزار تا دس ہزار پونڈ (ایک لاکھ روپے سے زیادہ) سالانہ کما رہے ہوتے ہیں۔ اس وقت اچانک ایک روز ان کے دل کی حرکت بند ہو جاتی ہے، اور وہ اپنے پھیلے ہوئے کاروبار کو چھوڑ کر اس دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ ونوڈ ریڈی (WINWOOD READE) لکھتا ہے:

"یہ ہمارے لئے ایک غور طلب مسئلہ ہے کہ خدا سے ہمارا کوئی ذاتی رشتہ ہے۔ کیا اس دنیا کے علاوہ کوئی اور دنیا ہے، جہاں ہمارے عمل کے مطابق ہم کو بدلہ دیا جائے گا۔ یہ نہ صرف فلسفہ کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے بلکہ یہ خود ہمارے لئے سب سے بڑا عملی سوال ہے، ایک ایسا سوال جس سے ہمارا مفاد بہت زیادہ وابستہ ہے۔ موجودہ زندگی بہت مختصر ہے اور اس کی خوشیاں بہت معمولی ہیں۔ جب ہم وہ کچھ حاصل کر لیتے ہیں جو ہم چاہتے ہیں، تو موت کا وقت قریب آچکا ہوتا ہے۔ اگر یہ واضح ہو سکے کہ ایک خاص طریقہ پر زندگی گزارنے سے دائمی خوشی حاصل ہو سکتی ہے۔ تو بیوقوف یا پاگل کے علاوہ کوئی بھی شخص اس طرح زندگی گزارنے سے انکار نہیں کرے گا۔"

(MARTYRDOM OF MAN. P. 414)

——— مگر یہی مصنف فطرت کی اتنی بڑی پکار کو محض ایک معمولی سے اشکال کی بنا پر رد کر دیتا ہے :

"یہ نظریہ اس وقت تک بظاہر بڑا معقول نظر آتا تھا جب تک گہرائی کے ساتھ ہم نے اس کی تحقیق نہیں کی تھی۔ مگر جب ایسا کیا گیا تو یہ معلوم ہوا کہ یہ محض ایک لغو (ABSURD) بات ہے اور اس کی لغویت کو بآسانی ثابت کیا جا سکتا ہے ——— محروم العقل آدمی جو کہ اپنے گناہوں کا ذمہ دار نہیں ہے وہ تو جنت میں جائے گا۔ مگر گوئٹے اور روسو جیسے لوگ جہنم میں جلیں گے ! اس لئے محروم العقل پیدا ہونا اس سے اچھا ہے کہ آدمی گوئٹے اور روسو کی شکل میں پیدا ہو۔ اور یہ بات بالکل لغو ہے۔" (ص ۷۱)

یہ ایسی ہی بات ہے جیسے لارڈ کلون (KELVIN) نے میکس ویل (MAXWELL) کی تحقیق ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ لارڈ کلون کا کہنا تھا کہ "جب تک میں کسی چیز کا مشینی ماڈل (MACHANICAL MODEL) نہیں بنا لیتا میں اسے سمجھ نہیں سکتا"۔ اس بنا پر اس نے روشنی کے متعلق میکسویل کے برقی مقناطیسی نظریے کو قبول نہیں کیا کیونکہ وہ اس کے مادی فریم میں نہیں آتی تھی۔ طبیعات کی دنیا میں آج یہ ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے۔ جے۔ ڈبلیو۔ این۔ سولیون (SULLIVAN) کے الفاظ میں ——— "ایک شخص کیوں ایسا خیال کرے کہ فطرت کو ایک ایسی نوعیت کی چیز ہونا چاہئے جس کو انیسویں صدی کا ایک انجینئر اپنے کارخانہ میں ڈھال سکتا ہو۔"[1] یہی بات میں وِن وڈ کے مندرجہ بالا اعتراض کے بارے میں کہوں گا ——— "بیسویں صدی کا ایک فلسفی آخر یہ سمجھنے کا کیا حق رکھتا ہے کہ خارجی دنیا کو اس کے اپنے مزعومات کے مطابق ہونا چاہئے۔"

مصنف کی سمجھ میں اتنی موٹی سی بات نہیں آئی کہ حقیقت واقعہ خارج کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ خود خارج حقیقت واقعہ کا محتاج ہوتا ہے۔ جب حقیقت یہ ہے کہ اس کائنات کا ایک خدا ہے اور اس کے سامنے حساب کتاب کے لئے ہمیں حاضر ہونا ہے۔ تو پھر ہر شخص کو خواہ وہ روسو ہو یا ایک معمولی شہری، خدا کا وفادار بن کر زندگی گزارنی چاہئے۔ ہماری کامیابی حقیقت سے موافقت کرنے میں ہے نہ کہ اس کے خلاف چلنے میں۔ مصنف روسو اور گوئٹے سے یہ نہیں کہتا کہ وہ اپنے آپ کو حقیقت واقعہ کے مطابق بنائیں، بلکہ خود حقیقت واقعہ سے چاہتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بدل ڈالے۔ اور جب وہ اپنے اندر تبدیلی کے لئے تیار نہیں ہوتی تو حقیقت واقعہ کو لغو قرار دیتا ہے۔ حالانکہ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی شخص جنگی راز کے تحفظ کے قانون کو اس بنا پر لغو قرار دے کہ اس کی رو سے بعض اوقات ایک معمولی سپاہی کا کام قابل تعریف قرار پاتا ہے۔ اور روزن برگ جیسے ممتاز سائنسدان اور اسکی نوجوان اور حسین بیوی (ROSENBERG PAIR) کو بجلی کی کرسی پر بٹھا کر پھانسی دے دی جاتی ہے۔

---

[1] THE LIMITATIONS OF SCIENCE.

ساری معلوم دنیا کے اندر صرف انسان ایک ایسا وجود ہے جو کل (TOMORROW) کا تصور رکھتا ہے۔ یہ صرف انسان کی خصوصیت ہے کہ وہ مستقبل کے بارے میں سوچتا ہے اور اپنے آئندہ حالات کو بہتر بنانا چاہتا ہے، اس میں شک نہیں کہ بہت سے جانور بھی "کل" کے لئے عمل کرتے ہیں مثلاً چیونٹیاں گرمی کے موسم میں جاڑے کے لئے خوراک جمع کرتی ہیں۔ یا بیا اپنے آئندہ پیدا ہونے والے بچوں کے لئے گھونسلا بناتا ہے۔ مگر جانوروں کا اس قسم کا عمل محض جبلت کے تحت غیر شعوری طور پر ہوتا ہے۔ وہ "کل" کی ضرورتوں کو سوچ کر بالقصد ایسا نہیں کرتے، بلکہ بلا ارادہ طبعی طور پر انجام دیتے ہیں اور بطور نتیجہ وہ ان کے مستقبل میں انہیں کام آتا ہے۔ "کل" کو ذہن میں رکھ کر اسکی خاطر سوچنے کے لئے تصوری فکر ——— (CONCEPTUAL THOUGHT) کی ضرورت ہے۔ اور یہ صرف انسان کی خصوصیت ہے، کسی دوسرے جاندار کو تصوری فکر کی خصوصیت حاصل نہیں۔

انسان اور دوسری مخلوقات کا یہ فرق ظاہر کرتا ہے کہ انسان کو دوسری تمام چیزوں سے زیادہ مواقع ملنے چاہئیں، جانوروں کی زندگی صرف آج کی زندگی ہے وہ زندگی کا کوئی "کل" نہیں رکھتے۔ مگر انسان کا مطالعہ صاف طور پر بتاتا ہے کہ اس کے لئے ایک کل ہونا چاہئے۔ ایسا نہ ہونا نظام فطرت کے خلاف ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ موجودہ زندگی میں ہماری ناکامیاں عام طور پر ہم کو اس سے بہتر ایک زندگی کی توقع کی طرف لے جاتی ہیں۔ ایک خوش حال فضا میں ایسا عقیدہ باقی نہیں رہ سکتا۔ روم کے غلام، مثال کے طور پر، بہت بڑی تعداد میں عیسائی ہو گئے۔ کیونکہ عیسائیت ان کو آسمان میں خوشی حاصل ہونے کی توقع دلاتی تھی۔ یہ یقین کیا جاتا ہے کہ سائنس کی ترقی سے انسان کی خوشی اور خوش حالی بڑھے گی۔ اور بالآخر دوسری زندگی کا تصور ختم ہو جائے گا۔

مگر سائنس اور ٹکنالوجی کی چار سو سولہ تاریخ اسکی تصدیق نہیں کرتی۔ ٹکنالوجی کی ترقی نے سب سے پہلے دنیا کو جو چیز دی وہ یہ تھا کہ سرمایہ رکھنے والے محدود گروہ کو ایسے وسائل و ذرائع ہاتھ آگئے جس کے بل پر وہ چھوٹے کاریگروں اور پیشہ وروں کو ختم کر کے دولت کا تمام بہاؤ اپنی طرف کر لیں اور عام باشندوں کو محض اپنا محتاج مزدور بنا کر رکھ دیں۔ اس انجام کے ہولناک مناظر مارکس کی کتاب "کیپٹل" میں تفصیل کے ساتھ دیکھے جا سکتے ہیں۔ جو گویا اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے اس مزدور طبقہ کی چیخ ہے، جس کو مشینی نظام نے اپنے ابتدائی دور میں جنم دیا تھا۔ اس کے بعد رد عمل شروع ہوا اور مزدور تحریکوں کی ایک صدی کی کوشش سے اب حالات بہت کچھ بدل چکے ہیں۔ مگر یہ تبدیلی صرف ظاہر کی تبدیلی ہے۔ بیشک آج کا مزدور پہلے کے مقابلے میں زیادہ اجرت پاتا ہے۔ لیکن جہاں تک حقیقی خوشی کی دولت کا تعلق

ہے، اس معاملے میں وہ اپنے پیش رووں سے بھی زیادہ محروم ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی نے جو نظام بنایا ہے، وہ کچھ مادی ظواہر انسان کو دے دے۔ مگر خوشی اور اطمینانِ قلب کی دولت پھر بھی اسے نہیں دیتا۔

تہذیب جدید کے انسان کے بارے میں بلیک (BLAKE) کے یہ الفاظ نہایت صحیح ہیں۔

A MARK IN EVERY FACE I MEET

MARKS OF WEAKNESS MARKS OF WOE

برٹرینڈ رسل نے اعتراف کیا ہے کہ — "ہماری دنیا کے جانور خوش ہیں۔ انسانوں کو بھی خوش ہونا چاہئے۔ مگر جدید دنیا میں انہیں یہ نعمت حاصل نہیں"

بلکہ رسل کے الفاظ میں اب تو صورت حال یہ ہے کہ لوگ کہنے لگے ہیں کہ اس کا حصول ممکن ہی نہیں،

HAPPINESS IN THE MODERN WORLD HAS

BECOME AN IMPOSSIBILITY (P. 93)

نیویارک جانے والا ایک سیاح ایک طرف تو اسٹیٹ بلڈنگ جیسی عمارتوں کو دیکھتا ہے جس کی ۱۰۲ منزلیں ہیں اور جو اتنی اونچی ہے کہ اس کا اوپر کا ٹمپریچر نیچے کے مقابلے میں کافی سرد ہو جاتا ہے، اس کو دیکھ کر اتریں تو یہ مشکل ہی سے یقین آئے گا کہ آپ اس پر گئے تھے، ۱۲۵۰ فٹ بلند عمارت پر چڑھنے میں لفٹ کے ذریعہ صرف تین منٹ لگتے ہیں، ان عالی شان عمارتوں کو دیکھ کر وہ کلب میں جاتا ہے۔ وہاں وہ دیکھتا ہے کہ عورت مرد مل کر خوب ناچ رہے ہیں۔ "کتنے خوش نصیب ہیں یہ لوگ" وہ سوچتا ہے۔ مگر زیادہ دیر گزرنے نہیں پاتی کہ اس جھنڈ میں سے ایک نوجوان عورت آکر اس کے پاس کی نشست پر بیٹھ جاتی ہے۔ وہ بہت افسردہ ہے :

"سیاح ! کیا میں بہت بدصورت ہوں" عورت کہتی ہے۔

"میرا خیال تو ایسا نہیں"

"مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں رعنائی (GLAMOUR) نہیں ہے"

"میرے خیال میں تو تم میں گلےمر ہے"

"شکریہ۔ لیکن اب نہ مجھے نوجوان ٹیپ (TAP) کرتے ہیں، اور نہ ڈیٹ (DATE) مانگتے ہیں۔ مجھے زندگی ویران نظر آنے لگی ہے"

یہ جدید دور کے انسان کی ایک ہلکی سی جھلک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی نے صرف مکانوں کو ترقی دی ہے۔ اس نے مکینوں کے دل کا سکون چھین لیا ہے، اس نے شاندار مشینیں کھڑی کی ہیں مگر ان مشینوں میں کام کرنے والے انسانوں کو چین سے محروم کر دیا ہے۔ یہ سائنس اور ٹکنالوجی کی چار سو سالہ تاریخ کا آخری انجام ہے پھر کس بنیاد پر یقین کر لیا جائے کہ سائنس اور ٹکنالوجی وہ سکون اور مسرت کی دنیا بنانے میں کامیاب ہوگی جس کی انسان کو تلاش ہے۔